AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com

Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

منتخب مشائخ چشت کے ملفوظاتی ادب میں کلامی مباحث کا تجزیاتی مطالعہ

"AN ANALYTICAL STUDY OF THEOLOGICAL DISCOURSES IN THE ORAL TRADITIONS OF SELECTED CHISHTI SUFI MASHAYIKH"

Dr. Nadia Alam
Assistant Professor Department of Islamic Studies, Green International University Lahore.
Email:nadia.alam@giu.edu.pk Cell: 03237510550
Abdul Aziz
PhD scholar Green International University Lahore Email:a.aziznoorani55@gmail.com
Muhammad Riaz
PhD scholar, Department of Islamic studies Green International University Lahore.
Email:riaztabbsum@gmail.com

Abstract:
This research provides an in-depth analytical study of the discursive and theological aspects embedded in the Malfoozat (verbal sayings) of prominent Chishti Sufi saints in the Indian subcontinent, including Hazrat Khwaja Usman Harooni, Hazrat Khwaja Moeenuddin Chishti, Hazrat Baba Fariduddin Ganjshakar, Hazrat Khwaja Nizamuddin Auliya, Hazrat Khwaja Qutbuddin Bakhtiyar Kaki, Hazrat Khwaja Shah Suleman Tunesvi, Hazrat Khwaja Shamsuddin Sialvi, Syed Jahangir Ashraf Samnani, and Pir Mehr Ali Shah. The study emphasizes that these Malfoozat were far more than mere spiritual exhortations or ethical admonitions; they encompassed profound reflections on key Islamic beliefs, theological doctrines, and the articulation of Sunni orthodoxy within the spiritual, social, and historical realities of their time.
A central focus of these sayings is the concept of Tawhid (divine unity), which the saints presented not only as a metaphysical principle but also as the practical foundation of a believer's life. Saints such as Hazrat Khwaja Moeenuddin Chishti and Hazrat Baba Fariduddin Ganjshakar stressed that acknowledgment of God's oneness must manifest in all aspects of human conduct. Hazrat Khwaja Shah Suleman Tunesvi and Hazrat Khwaja Shamsuddin Sialvi, for instance, elaborated on the attributes of God with a balance between affirming divine qualities as real and avoiding extremes of anthropomorphism or abstraction, following classical Sunni theological traditions while remaining accessible to general audiences.
The study also explores the Malfoozat's treatment of prophethood, faith, and human deeds. Saints such as Pir Mehr Ali Shah emphasized the finality of Prophethood and defended orthodox beliefs against heterodox movements, while Hazrat Khwaja Nizamuddin Auliya and Hazrat Khwaja Qutbuddin Bakhtiyar Kaki highlighted the ethical and practical dimensions of spiritual life alongside doctrinal fidelity. Moreover, the saints addressed complex topics such as the relationship between divine decree (Qadr) and human free will, stressing that while humans are endowed with apparent choice, ultimate control rests with God, thereby reconciling theological doctrine with moral responsibility.
Another critical aspect highlighted is the saints' engagement with heretical or deviant sects, where they combined rational argumentation with spiritual guidance to clarify distinctions between right and wrong for the community. The Malfoozat thus reflect a unique synthesis of rigorous theological discourse, ethical instruction, and spiritual training, maintaining a balance between intellectual depth and practical applicability.
In conclusion, the Malfoozat of Hazrat Khwaja Usman Harooni, Hazrat Khwaja Moeenuddin Chishti, Hazrat Baba Fariduddin Ganjshakar, Hazrat Khwaja Nizamuddin Auliya, Hazrat Khwaja Qutbuddin Bakhtiyar Kaki, Hazrat Khwaja Shah Suleman Tunesvi, Hazrat Khwaja Shamsuddin Sialvi, Syed Jahangir Ashraf Samnani, and Pir Mehr Ali Shah serve as a vital repository of Sunni orthodoxy, theological clarity, and spiritual wisdom. They not only guided contemporary audiences but continue to provide insights for modern readers in understanding and defending Islamic beliefs, demonstrating the enduring relevance of Chishti Sufi thought.

Keywords: Chishti Sufism, Malfoozat, Tawhid, Islamic theology, faith and deeds, divine decree, Sunni orthodoxy, spiritual and ethical guidance

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

مقدمہ:

برصغیر کی علمی روایت میں صوفیانہ ملفوظات کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ محض تصوف اور روحانیت کی داستانیں نہیں بلکہ اسلامی عقائد، اخلاقی اصولوں اور فکری مباحث کا ایک ایسا سرمایہ ہیں جس نے عوام اور خواص دونوں پر یکساں اثر ڈالا۔ ابتدائی دور کے محققین جیسے شبلی نعمانی اور عبدالحلیم شرر نے ملفوظات کو زیادہ تر تاریخی اور ادبی زاویے سے دیکھا، لیکن بعد میں یہ حقیقت اجاگر ہوئی کہ ان ملفوظات میں اسلامی کلامی مباحث کے بنیادی مسائل بھی جگہ پاتے ہیں۔ صوفیائے کرام کی محافل میں جو باتیں ارشاد ہوئیں وہ صرف زہد و تقویٰ کا درس نہیں تھیں بلکہ ایمان و عقائد کی وضاحت بھی تھیں۔

ملفوظاتی ادب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فلسفیانہ موشگافیوں کے بجائے سادہ اور عام فہم انداز میں مرتب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں علماء اور طلبہ کے لیے یہ علمی اہمیت رکھتے ہیں وہاں عام مسلمان بھی ان سے براہِ راست استفادہ کر سکتے ہیں۔ برصغیر جیسے کثیر المذاہب اور کثیر الثقافتی معاشرے میں یہ ملفوظات دین کے بنیادی عقائد کو عام کرنے کا ایک ذریعہ بنے[1]۔ چاہے حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ، حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ، حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ ہوں یا پھر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ ہوں ان سب کے ملفوظات وارشادات میں اللہ تعالی کی توحید، قیامت کی یاددہانی، اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت جیسے مسائل ہمیشہ نمایاں رہے۔[2]

اگرچہ بظاہر صوفیانہ ملفوظات کو اخلاقی اور روحانی تعلیمات کا مرقع سمجھا جاتا ہے، لیکن ان کے اندر کلامی پہلو بھی نہایت نمایاں ہیں۔ غلام عباس اور شیر علی کی تحقیق سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ملفوظات میں برزخ اور آخرت جیسے موضوعات تفصیل سے موجود ہیں اور ان کے ذریعے مریدین کو عقیدے اور عمل دونوں میں بیدار کیا گیا۔[3] اسی طرح ڈاکٹر سید عبداللہ نے اپنی کتاب "برصغیر میں تصوف میں واضح کیا کہ چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں محض روحانی تربیت کا مرکز نہ تھیں بلکہ علمی و فکری رہنمائی بھی فراہم کرتی تھیں، جن میں کلامی مسائل بھی شامل تھے۔[3]

چشتیہ مشائخ کے ملفوظات میں توحید و صفاتِ باری تعالیٰ، ایمان و کفر، جبر و قدر، نبوت و رسالت، اور جزا و سزا جیسے بنیادی مباحث کو بار بار موضوع بنایا گیا۔ ان مباحث کا مقصد مناظرانہ یا فلسفیانہ موشگافی نہیں تھا بلکہ عوام کو دین کے بنیادی عقائد سے روشناس کرانا اور ان میں عملی تقویٰ پیدا کرنا تھا۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات میں قبر اور آخرت کی تیاری پر زور، اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ایمان کی حقیقت اور صفاتِ الٰہی کی وضاحت اس امر کی واضح مثالیں ہیں۔[4]

یہی وہ پہلو ہے جو اس تحقیق کو اہم بناتا ہے۔ یعنی چشتیہ ملفوظات کو صرف روحانی یا اخلاقی نصائح سمجھنے کے بجائے ان کا کلامی و فکری پہلو بھی نمایاں کرنا ضروری ہے تاکہ برصغیر کے فکری پس منظر میں ان کی اصل علمی قدر و قیمت سامنے آ سکے۔

مزید یہ کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات نے برصغیر میں اسلام کی عوامی تعبیر و تفسیر کے لیے جو خدمات سرانجام دیں، وہ اسلامی کلامیات کی تاریخ میں ایک منفرد باب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر مدرسہ اور درسگاہ میں کلامیات کو منطق و فلسفہ کی مشکل زبان میں پڑھایا جاتا تھا، تو خانقاہ میں یہی کلامی مسائل نہایت سہل اور دل نشین انداز میں بیان کیے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عام مسلمان بھی اللہ کی وحدانیت، رسالت کی حقیقت، اور قیامت کے دن کی جواب دہی جیسے بنیادی عقائد کو بخوبی سمجھتا اور ان پر ایمان مضبوط کرتا تھا۔

---

[1] ۔ غلام عباس اور شیر علی، "منتخب چشتی ملفوظاتی ادب میں مباحثِ برزخ کا تحقیقی مطالعہ"، ضیائے تحقیق، شمارہ ۸۱، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

[2] ۔ خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ، انیس الارواح، ایڈیٹر: خواجہ معین الدین چشتی لکھنوی: مطبع واقع، 1872۔ (اردو ترجمہ ماخذ)

[3] ۔ غلام عباس اور شیر علی، "منتخب چشتی ملفوظاتی ادب میں مباحثِ برزخ کا تحقیقی مطالعہ"، ضیائے تحقیق، شمارہ ۸۱، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

[4] ۔ فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیا (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص. 55۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

چشتیہ سلسلے کی یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے کلامی مباحث کو عوامی اخلاق اور اجتماعی زندگی کے ساتھ جوڑ دیا۔ توحید کا درس صرف ایک نظری عقیدہ نہیں بلکہ عملی توکل اور بندگی کے طور پر سمجھایا گیا، ایمان و کفر کی وضاحت صرف فقہی یا مدرساتی اصطلاحات میں نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کے طرزِ عمل میں ظاہر کی گئی، اور آخرت کے مباحث کو محض قیامت کے واقعات کی خبر کے بجائے عملی تقویٰ اور نیک اعمال کی ترغیب کے ساتھ پیش کیا گیا۔ اس طرزِ بیان نے کلامیات کو ایک زندہ حقیقت بنا دیا جو فرد کی اصلاح اور معاشرت کی تعمیر دونوں میں معاون ثابت ہوا۔

یوں کہا جا سکتا ہے کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات برصغیر میں اسلامی فکر کی جڑوں کو مضبوط کرنے اور عقائد کو عوامی سطح پر راسخ کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ تھے۔ آج کے محققین کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان ملفوظات کے کلامی پہلو کو مزید اجاگر کریں تاکہ یہ ورثہ محض خانقاہی یادگار کے طور پر نہ رہے بلکہ معاصر فکری و دینی مباحث میں بھی اپنی افادیت دکھا سکے۔ یہی اس تحقیق کی اصل معنویت ہے کہ وہ ماضی کی علمی روایت کو حال کے فکری تقاضوں کے ساتھ جوڑنے کی راہ ہموار کرتی ہے۔

سلسلہ چشتیہ کا تعارف اور خدمات

سلسلۂ چشت کی بنیاد وسطی ایشیا اور خراسان کے علاقے میں رکھی گئی، لیکن برصغیر میں اس کی حقیقی اشاعت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے ذریعے ہوئی۔ آپ ۱۱۹۲ء میں ہندوستان آئے اور اجمیر کو اپنا مرکز بنایا۔[5] آپ نے یہاں اسلام کی دعوت کو تلوار یا جبر کے ذریعے نہیں بلکہ محبت، خدمت اور انسان دوستی کے ذریعے عام کیا۔ یہی وہ پہلو ہے جس نے چشتیہ سلسلے کو عوام میں مقبول بنایا۔

چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں نہ صرف عبادت اور ذکر کا مرکز تھیں بلکہ عوامی مسائل کے حل، مہمان نوازی، اور سماجی خدمت کے ادارے بھی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ان سے قریب ہوئے اور انہیں ایک فکری و روحانی پناہ گاہ سمجھا۔[6] چشتیہ مشائخ نے مذہبی تنگ نظری کی بجائے وسعتِ قلبی کو اپنایا اور دین کو عوامی سطح پر سمجھانے کی کوشش کی۔

اس سلسلے کے اولین بزرگوں نے برصغیر کے مختلف شہروں میں اپنے مراکز قائم کیے۔ دہلی، اجمیر، پاکپتن اور بدایوں وہ بڑے مراکز تھے جہاں سے چشتیہ سلسلہ پورے برصغیر میں پھیلا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ دہلی میں، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ پاکپتن میں، اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ دہلی میں اسلام اور تصوف کے نمائندہ بنے۔[7] ان مراکز سے نہ صرف خانقاہی نظام کو فروغ ملا بلکہ اسلامی کلامیات کی عام فہم تعبیر بھی عوام میں رائج ہوئی۔

چشتیہ سلسلے کی سب سے بڑی خدمت یہ تھی کہ انہوں نے دین کے بنیادی عقائد کو عام لوگوں کی زبان اور فہم کے مطابق بیان کیا۔ حضرت معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات میں اللہ کی توحید اور آخرت کی یاددہانی نمایاں ہے۔[8] حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جبر و قدر کے مسئلے میں یہ وضاحت کی کہ انسان کو محدود اختیار حاصل ہے مگر سب کچھ اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے قبر اور آخرت کے احوال کو بیان کر کے لوگوں کو تقویٰ اور نیک اعمال کی طرف متوجہ کیا۔ جبکہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایمان، کفر، اور صفاتِ باری تعالیٰ کے مسائل پر نہایت وضاحت کے ساتھ گفتگو کی۔[9]

چشتیہ مشائخ کی تعلیمات کا خاصہ یہ تھا کہ انہوں نے کلامی مباحث کو مناظرانہ اسلوب کے بجائے اصلاحی اور عملی انداز میں پیش کیا۔ اس طرح ان کے ملفوظات محض خانقاہی ادب نہیں بلکہ اسلامی کلامیات کا ایک عام فہم اور موثر ذخیرہ ہیں۔ اس روایت نے برصغیر کی دینی فضا کو نہ صرف روحانی طور پر بلکہ فکری طور پر بھی مضبوط کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی چشتیہ سلسلے کے ملفوظات کو برصغیر کے اسلامی فکر اور عوامی ذہن سازی کے مطالعے کے لیے بنیادی ماخذ مانا جاتا ہے۔

---

[5] ۔ خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ، انیس الارواح، ایڈیٹر: خواجہ معین الدین چشتی لکھنوی: مطبع واقع، 1872۔

[6] ۔ حضرت مولانا عبدالرحمن جامی، نفحات الانس، ترجمہ مولانا سید احمد علی شاہ چشتی، (اشاعت: 8 نومبر 2018)، ص. 120۔

[7] ۔ معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، حصہ 3 (گڑھ: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم، 1998)، ص. 45۔

[8] ۔ معین الدین چشتی، تجلیات انوار المعین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۰، ص ۹۹۔

[9] ۔ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء، فوائد الفوائد (اشاعت: 25 فروری 2020)، ص. 45۔

AL-AASAR Journal
Quarterly Research Journal
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

چشتیہ سلسلے کے ان نمایاں پہلوؤں نے برصغیر کی علمی، دینی اور سماجی فضا کو نئی جہت عطا کی۔ اس سلسلے کے مشائخ نے نہ صرف اسلام کی تعلیمات کو عوام کے قریب کیا بلکہ ان تعلیمات کو معاشرتی زندگی کا حصہ بھی بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں اسلام ایک محض عقیدتی مذہب کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ اور عملی طرزِ حیات کے طور پر فروغ پایا۔ چشتیہ مشائخ کی خانقاہیں دراصل ایسے تربیتی مراکز تھیں جہاں دین کے بنیادی عقائد کو روزمرہ زندگی کے عملی رویوں سے جوڑ کر پیش کیا جاتا تھا۔

ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ چشتیہ سلسلے نے علمی دنیا کو بھی متاثر کیا۔ مدارس اور خانقاہوں کے درمیان اگرچہ تدریسی ماحول اور اسلوب مختلف تھے، لیکن چشتیہ مشائخ نے دونوں کو قریب کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ کلامی اور فقہی مسائل کو اس انداز میں بیان کرتے کہ عالم بھی ان سے علمی رہنمائی لیتا اور عام شخص بھی ان کی بات سے عملی فائدہ اٹھاتا۔ یہی ان کی اصل کامیابی تھی کہ انہوں نے دین کے فکری پہلو کو عوامی سطح پر راسخ کر دیا۔

مزید برآں، چشتیہ سلسلے کی یہ خصوصیت بھی نمایاں ہے کہ انہوں نے تصوف کو محض ریاضت یا خانقاہی خلوت تک محدود نہیں کیا بلکہ اسے عوامی اور معاشرتی خدمت کے ساتھ جوڑ دیا۔ محبت، برداشت اور رواداری ان کی تعلیمات کے بنیادی عناصر تھے۔ ان اقدار نے برصغیر کے کثیر المذاہب اور کثیر الثقافتی معاشرے میں ایک ہم آہنگ فضا پیدا کرنے میں مدد دی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو، مسلمان، سکھ اور دوسرے طبقات بھی چشتیہ خانقاہوں کے قریب آتے اور انہیں امن و سکون کا مرکز سمجھتے۔

ان تمام پہلوؤں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ چشتیہ سلسلہ محض ایک صوفیانہ روایت نہیں بلکہ برصغیر میں اسلامی کلامیات اور فکری روایات کا ایک بنیادی ستون ہے۔ ان کی تعلیمات نے جہاں فرد کی روحانی تربیت کی، وہیں اجتماعی زندگی کو بھی ایمان اور اخلاق کے اصولوں پر استوار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی چشتیہ سلسلے کا مطالعہ برصغیر کی مذہبی و فکری تاریخ کے فہم کے لیے ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

منتخب مشائخِ چشت اور ان کے ملفوظات

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

سلسلہ چشتیہ کی تاریخ میں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ (وفات: 1220ء) کو نہایت بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے شیخ و مرشد تھے، اور یوں برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کی فکری و روحانی بنیادوں کے معمار مانے جاتے ہیں۔ آپ کے ملفوظات و تعلیمات میں صوفیانہ حکمت اور کلامی شعور کا امتزاج پایا جاتا ہے جو اسلامی عقائد کی توضیح کے ساتھ ساتھ عملی تزکیۂ نفس کی راہیں روشن کرتا ہے۔[10]

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظات زیادہ تر ان کے خلفاء اور بالخصوص حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے واسطے سے منقول ہیں۔ "انیس الارواح" اور بعض دیگر مصادر میں آپ کے ارشادات شامل ہیں۔ ان میں توجہ زیادہ تر روحانیت، اخلاقیات اور عقائد پر ہے۔ کلامی مسائل صراحت کے بجائے اشارات و بیانات کی صورت میں آتے ہیں، لیکن یہ اس عہد کی فکری فضا کو سمجھنے کے لیے بے حد اہم ہیں۔

آپ کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور توحید پر ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "انسان کی اصل معرفت تب مکمل ہوتی ہے جب وہ اللہ کی ربوبیت اور اپنی عبودیت کو پہچان لے۔ یہ جملہ صفاتِ الوہیت اور مقامِ عبدیت پر ایک واضح کلامی موقف کو ظاہر کرتا ہے۔

رسالت کے باب میں آپ نے نبی اکرم ﷺ کی سنت کو ہدایت کا واحد سرچشمہ قرار دیا۔ آپ کے ملفوظات میں ختم نبوت اور رسالت کی جامعیت پر بھی روشنی ملتی ہے، جو اس دور کی فلسفیانہ و باطنی بحثوں کے جواب میں تھی[11]۔

آپ نے معاد کے مباحث میں قبر و برزخ اور قیامت کے مراحل کا ذکر کیا، تاکہ مریدین اعمالِ صالحہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخرت کا عقیدہ آپ کے نزدیک صرف نظری نہیں بلکہ عملی اخلاقیات اور احتسابِ نفس کی بنیاد تھا۔

---

[10] ۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم (لاہور: مکتبہ نبویہ، 1965)، ص 77۔

[11] ۔ سید عبداللہ، برصغیر میں تصوف (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1965)، ص 145۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ نے کلامی مضامین کو صوفیانہ مجاہدہ اور ذکر کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا۔ ان کے نزدیک عقائد کا فہم صرف عقل کی حد تک کافی نہیں جب تک وہ دل کی کیفیت کو نہ بدلے[12]۔ یہی اسلوب بعد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ذریعے برصغیر میں مضبوط ہوا۔

خلاصہ یہ کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ملفوظاتی ادب میں توحید، نبوت اور معاد جیسے بنیادی کلامی مسائل نہایت بلیغ اور حکیمانہ انداز میں پیش کیے گئے۔ اگرچہ یہ مباحث کتبِ کلام کی طرح تفصیل سے نہیں ملتے، لیکن صوفیانہ حکمت کے ساتھ ان کا ربط ان کو زیادہ مؤثر اور دیرپا بنا دیتا ہے۔ آپ کی تعلیمات نے بعد کی چشتی روایت پر گہرا اثر ڈالا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو برصغیر میں سلسلۂ چشت کے بانی اور سب سے نمایاں بزرگ کی حیثیت حاصل ہے۔ آپ نے بارہویں صدی کے آخر اور تیرہویں صدی کے آغاز میں ہندوستان کی سرزمین پر اسلام کے پیغام کو عام کیا۔ آپ کی خانقاہ اجمیر میں قائم ہوئی اور یہ مرکز نہ صرف تصوف و روحانیت کا سرچشمہ تھا بلکہ اسلامی عقائد اور کلامی مباحث کی ایک عوامی درسگاہ بھی تھی۔ خواجہ صاحبؒ کے ملفوظات بنیادی طور پر *انیس الارواح* اور تجلیات *انوار المعین* جیسی کتب میں محفوظ ہیں۔ ان ملفوظات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ نے اسلامی عقائد کو نہایت سادہ، عوامی اور بامعنی انداز میں بیان کیا۔

خواجہ صاحبؒ کے ملفوظات میں توحید کا موضوع سب سے نمایاں ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی تمام حقیقتیں عارضی ہیں، اصل حقیقت صرف اللہ کی ذات ہے۔ یہ بات صوفیانہ انداز میں بیان ہونے کے باوجود کلامی پہلو رکھتی ہے کیونکہ اس میں اللہ کی الوہیت، یکتائی اور صفات کے ساتھ تعلق کی وضاحت ملتی ہے۔ آپ کے نزدیک اللہ کی معرفت کے بغیر انسان کی زندگی بے معنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے شرک اور بدعات سے اجتناب کو ایمان کا بنیادی تقاضا قرار دیا۔[13]

آپ کی مجلسوں میں آخرت کا ذکر نہایت کثرت سے ہوتا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا ایک امتحان ہے اور اصل کامیابی موت کے بعد ہے۔" اس جملے میں نہ صرف صوفیانہ نصیحت ہے بلکہ کلامی وضاحت بھی ہے کہ انسان کی اصل منزل آخرت ہے اور اسی کے مطابق اس کے اعمال کی قدر و قیمت متعین ہوتی ہے۔ آپ نے بارہا قبر، برزخ اور قیامت کے احوال بیان کیے تاکہ عوام اپنے اعمال کی اصلاح کریں اور دین پر مضبوطی سے قائم رہیں۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات میں صبر اور توکل پر بار بار زور ملتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "جس نے اللہ پر توکل کیا وہ کبھی ذلیل نہ ہوا۔" یہ بات عقیدۂ تقدیر اور توکل کو عوامی زبان میں سمجھانے کی بہترین مثال ہے۔ کلامی نقطۂ نظر سے یہ جملہ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ انسان کے لیے اختیار اور کوشش لازم ہے لیکن انجام اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔ اس طرح آپ نے جبر و قدر کے پیچیدہ مسئلے کو نہایت سادہ پیرائے میں واضح کر دیا۔

خواجہ صاحبؒ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے عقائد کو نہ تو فلسفیانہ اصطلاحات میں الجھایا اور نہ ہی انہیں محض علمی سطح پر چھوڑا۔ آپ نے ان کو عوامی زبان میں، روزمرہ مثالوں اور قصوں کے ذریعے بیان کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی تعلیمات ہر طبقے کے لوگوں کے لیے قابلِ فہم بن گئیں۔ ہندو، سکھ اور مسلمان سب آپ کی محفل میں شریک ہوتے اور یکساں طور پر متاثر ہوتے۔[14]

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات نے برصغیر کی دینی اور فکری روایت پر گہرے اثرات ڈالے۔ ان کی تعلیمات سے عوامی مذہبی شعور تشکیل پایا اور اسلام کے بنیادی عقائد عام ہوئے۔ آپ کی خانقاہ نے صدیوں تک نہ صرف روحانی مرکز کی حیثیت رکھی بلکہ عقائد کی عوامی درسگاہ بھی بنی رہی۔ آج بھی اجمیر کی درگاہ پر مختلف مذاہب کے لوگ آتے ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کی تعلیمات نے عقائد کے ساتھ ساتھ اخلاق اور سماجی ہم آہنگی کو بھی فروغ دیا۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ

---

[12] ۔ عزیز احمد، Studies in Islamic Culture in the Indian Environment (آکسفورڈ: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1964)، ص 152۔

[13] ۔ شبلی نعمانی، المامون، حصہ 2 (آگرہ: مطبع مفید عام، 1892)، ص. 215۔

[14] ۔ عبدالحلیم شرر، گزشتہ لکھنؤ، لکھنؤ: مطبع نولکشور، 1913، ص 92۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

حضرت فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، جو عوام میں بابا فرید کے نام سے معروف ہیں، چشتیہ سلسلے کے ان مشائخ میں شامل ہیں جنہوں نے برصغیر میں اسلام کی اشاعت اور عوامی دینی شعور کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کی خانقاہ پاکپتن میں قائم ہوئی جو روحانی تربیت اور عوامی رہنمائی کا مرکز بن گئی۔ آپ کے ملفوظات اسرار الاولیاء اور دیگر تذکروں میں محفوظ ہیں۔[15] ان ملفوظات میں سب سے زیادہ زور آخرت کی تیاری، قبر و برزخ، دنیا سے بے رغبتی اور نیک اعمال کی اہمیت پر ہے۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات میں آخرت کی یاد دہانی ایک مرکزی موضوع کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "قبر کی پہلی رات انسان کی اصل حقیقت کو آشکار کرتی ہے، اس لیے نیک اعمال ہی اصل سرمایہ ہیں۔" یہ قول عوامی سطح پر عقیدۂ آخرت کی وضاحت کرتا ہے۔ کلامی نقطۂ نظر سے اس میں ایمان بالآخرت اور جزاو سزا کا تصور نہایت سادہ اور بامعنی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ کے نزدیک دنیا عارضی اور فانی ہے جبکہ آخرت ابدی اور حقیقی ہے۔ اسی وجہ سے آپ اپنے مریدین کو بار بار یاد دلاتے کہ دنیاوی لذتوں اور خواہشات میں غرق نہ ہوں بلکہ نیک اعمال کے ذریعے اپنی قبر اور آخرت کو سنواریں۔

آپ کے ملفوظات میں دنیا سے بے رغبتی اور زہد پر بھی بار بار زور دیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا: "جس دل میں دنیا کی محبت بسی ہو، اس میں اللہ کی معرفت نہیں ٹھہرتی۔"[16] یہ قول نہ صرف روحانی تعلیم ہے بلکہ کلامی پہلو بھی رکھتا ہے، کیونکہ اس میں ایمان اور عمل کے تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ آپ کے نزدیک دنیا کی محبت انسان کو آخرت کی تیاری سے غافل کر دیتی ہے اور یہی غفلت کفر اور نفاق کے قریب لے جاتی ہے۔ عوامی سطح پر یہ تعلیم معاشرتی اصلاح کا ذریعہ بنی، کیونکہ اس کے ذریعے لوگ دنیاوی حرص و ہوس سے بچنے اور اللہ کی رضا کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اپنے ملفوظات میں نیک اعمال کی اہمیت اور خوفِ خدا کو لازمی قرار دیا۔ آپ نے فرمایا: "جو شخص دنیا میں اللہ سے ڈرتا ہے، قبر میں وہ خوف اس کے لیے رحمت بن جاتا ہے۔"[5] یہ تعلیم ایمان بالآخرت اور تقویٰ کو براہ راست جوڑتی ہے۔ کلامی اعتبار سے یہ قول اس تصور کی وضاحت کرتا ہے کہ ایمان محض زبان کا اقرار نہیں بلکہ عمل اور خوفِ خدا بھی اس کا لازمی حصہ ہے۔ عوام نے اس تعلیم کو نہ صرف عقیدے کے طور پر قبول کیا بلکہ عملی زندگی میں بھی اس پر عمل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ پاکپتن اور اس کے اطراف کے لوگ اخلاقی اور دینی طور پر مضبوط ہوتے گئے۔

حضرت بابا فریدؒ کے ملفوظات نے برصغیر کے عوام پر گہرے اثرات ڈالے۔ ان کے اقوال عوامی زبان میں تھے، جو عام لوگ آسانی سے سمجھ لیتے تھے۔ آپ نے کلامی مباحث کو پیچیدہ فلسفیانہ انداز کے بجائے حکایات، مثالوں اور روزمرہ کی باتوں کے ذریعے بیان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیمات عوامی شعور کا حصہ بن گئیں۔ آج بھی پنجاب کے کئی علاقوں میں آپ کے اشعار اور اقوال زبان زدِ عام ہیں اور عوام کو دین و عقائد کی یاد دہانی کراتے ہیں۔

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے ملفوظات اس بات کا ثبوت ہیں کہ چشتیہ سلسلے نے اسلامی کلامیات کے بنیادی مسائل کو عوامی زبان میں پیش کیا۔ آپ نے آخرت، قبر، جزاو سزا اور نیک اعمال کی اہمیت پر زور دیا اور دنیا سے بے رغبتی کو ایمان کا لازمی جز قرار دیا۔ آپ کے اقوال اور تعلیمات نے نہ صرف پاکپتن کے عوام کو متاثر کیا بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کی فکری اور عملی زندگی پر اثر ڈالا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ملفوظات آج بھی اسلامی کلامیات اور عوامی مذہبی شعور کے مطالعے کے لیے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلویؒ

حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ چشتیہ سلسلے کے سب سے نمایاں اور مقبول بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی خانقاہ دہلی میں قائم ہوئی جو نہ صرف روحانیت اور تصوف کا مرکز بنی بلکہ اسلامی عقائد و کلامیات کی ایک عملی درسگاہ بھی ثابت ہوئی۔ آپ کے ملفوظات کا اہم ماخذ *فوائد الفوائد* ہے، جسے امیر حسن سنجری نے ترتیب دیا۔[17] یہ ملفوظات اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے پیچیدہ کلامی مباحث کو عوامی زبان میں نہایت سادہ اور دل نشین انداز کے ساتھ پیش کیا۔ آپ کے کلام میں ایمان و کفر، صفاتِ باری تعالیٰ، نبوت و رسالت اور موت و آخرت جیسے بنیادی مسائل بار بار بیان ہوئے ہیں۔

---

[15] ۔فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیا (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص. 45۔

[16] ۔فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیا (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص. 67۔

[17] ۔خواجہ امیر حسن سجزی دہلوی، فوائد الفوائد (اردو ترجمہ) (دلی: خواجہ حسن ثانی نظامی، 2007)، ص. 15۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں ایمان اور کفر کا موضوع نہایت وضاحت سے بیان ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: "ایمان صرف زبان کے اقرار کا نام نہیں بلکہ دل کی تصدیق اور عمل کی سچائی بھی اس کا لازمی جز ہے۔ یہ بیان کلامی پہلو سے نہایت اہم ہے کیونکہ اس میں ایمان کے جامع تصور کو واضح کیا گیا ہے۔ یہ قول اہلِ سنت والجماعت کے موقف کی عکاسی کرتا ہے اور خوارج و مرجیہ کے انتہا پسندانہ نظریات کی نفی کرتا ہے۔ آپ نے یہ تعلیم اس انداز میں دی کہ عام مسلمان بھی اسے سمجھ سکے اور اپنی عملی زندگی میں ایمان کی روح کو زندہ رکھ سکے۔

اسی طرح آپ نے کفر کے بارے میں فرمایا کہ کفر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح انکار کی صورت میں ہے، جبکہ گناہوں کی وجہ سے کوئی شخص ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔[18] یہ قول کلامی نقطۂ نظر سے اعتدال کی نمائندگی کرتا ہے اور عوامی ذہن میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

آپ نے اپنے ملفوظات میں اللہ کی ذات اور صفات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے، نہ اس کا شریک ہے اور نہ اس کی صفات اس سے جدا ہیں۔"[19] یہ بیان علمِ کلام کے اس بنیادی اصول کی تائید کرتا ہے کہ اللہ کی صفات ذاتی اور قائم بالذات ہیں۔ عوامی زبان میں یہ قول توحید کے کلامی تصور کو نہایت سادہ پیرائے میں بیان کرتا ہے۔

نبوت و رسالت کے بارے میں آپ نے فرمایا: "انبیا علیہم السلام کی بعثت انسانیت کی ہدایت کے لیے ہے اور ان کی عصمت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔" یہ تعلیم اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ نبوت محض ایک نظری تصور نہیں بلکہ عملی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ آپ کے ملفوظات میں یہ تصور اس انداز میں بیان ہوا کہ عوام کو نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کی عملی اہمیت کا احساس ہو۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں موت اور آخرت پر بھی بارہا گفتگو ہوئی۔ آپ نے فرمایا: "موت فنا نہیں بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال ہے۔"[20] یہ قول برزخ کے کلامی تصور کو نہایت سادہ اور عام فہم انداز میں واضح کرتا ہے۔ اس بیان کا مقصد صرف عقیدہ سمجھانا نہیں تھا بلکہ عوام کو خوفِ آخرت اور نیک اعمال کی ترغیب دینا بھی تھا۔

آپ نے قبر اور قیامت کے احوال بیان کرتے ہوئے لوگوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ دنیا کی لذتیں عارضی ہیں اور اصل کامیابی آخرت کی تیاری میں ہے۔ یہ تعلیم عوام کو روزمرہ زندگی میں اللہ کی یاد اور عملِ صالح کی طرف راغب کرتی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے کلامی مباحث کو عوامی سطح پر منتقل کیا۔ جہاں مدرسوں میں یہ مباحث فلسفیانہ انداز میں پڑھائے جاتے تھے، وہاں آپ نے انہی مسائل کو قصوں، حکایات اور روزمرہ کی مثالوں کے ذریعے بیان کیا۔ اس سے یہ ہوا کہ عوام کے ذہن میں ایمان، توحید اور آخرت جیسے عقائد راسخ ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی محافل میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو اور سکھ بھی شریک ہوتے اور آپ کی تعلیمات سے متاثر ہوتے۔ اس نے نہ صرف عقائد کی وضاحت کی بلکہ بین المذاہب رواداری کو بھی فروغ دیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے ملفوظات اسلامی کلامیات کے ایک زندہ اور عملی اظہار ہیں۔ ان میں ایمان و کفر، صفاتِ باری تعالیٰ، نبوت اور آخرت کے بنیادی عقائد کو نہایت سادہ زبان میں بیان کیا گیا۔ آپ نے عوامی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کیا اور مشکل فلسفیانہ مسائل کو عوام کے لیے قابلِ فہم بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ملفوظات آج بھی برصغیر کی دینی روایت اور اسلامی فکر کے لیے ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ برصغیر میں سلسلۂ چشت کے اُن جلیل القدر مشائخ میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے دہلی کو اسلام اور تصوف کا عظیم مرکز بنایا۔ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خاص خلفا میں سے تھے اور آپ کی خانقاہ دہلی میں علم، تصوف اور عوامی دینی تربیت کا مرکز رہی۔ آپ کے ملفوظات اور اقوال زیادہ تر *قوالِ*

---

[18] ۔ سید عبداللہ، برصغیر میں تصوف، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1965، ص. 145۔

[19] ۔ نظام الدین اولیاءؒ، فوائد الفوائد، ص 89۔

[20] ۔ نظام الدین اولیاءؒ، فوائد الفوائد، ص 112۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

قطب اور روایتی مجموعوں میں محفوظ ہیں۔[21] ان میں سب سے نمایاں پہلو جبر و قدر، توکل، عبادات کی روح اور آخرت کی تیاری ہے۔ آپ کی شخصیت نے دہلی کے عوامی مذہبی شعور کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ اسلامی کلامیات کے بنیادی نکات کو عوامی سطح پر عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اسلامی کلامیات میں جبر و قدر ہمیشہ سے ایک پیچیدہ بحث رہی ہے۔ حضرت بختیار کاکیؒ نے اس مسئلے کو نہایت سہل اور معتدل انداز میں بیان کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "انسان کے اعمال اس کے اپنے اختیار میں ضرور ہیں، مگر ان کے نتائج اللہ کی مشیت کے تابع ہیں۔"[22] اس قول سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا موقف اہلِ سنت والجماعت کے اعتدال پسند نظریے کی نمائندگی کرتا ہے۔ نہ آپ نے جبریہ کی طرح انسان کو مجبورِ محض قرار دیا اور نہ ہی معتزلہ کی طرح مکمل آزاد سمجھا۔ آپ نے عوام کو یہ سبق دیا کہ بندہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، اس لیے گناہوں سے اجتناب اور نیک اعمال کی طرف توجہ لازمی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ یقین بھی ضروری ہے کہ انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔[23]

یہ وضاحت عوامی سطح پر اس کلامی مسئلے کو آسان کرتی ہے، کیونکہ عام لوگ فلسفیانہ پیچیدگیوں میں الجھنے کے بجائے اپنی عملی زندگی سے متعلق نتائج اخذ کرتے ہیں۔ یوں آپ نے کلامی بحث کو عوامی اصلاح کے لیے استعمال کیا۔

حضرت بختیار کاکیؒ کے ملفوظات میں توکل اور اللہ پر بھروسے کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "جس نے اللہ پر توکل کیا، دنیا کی سختیاں اس پر آسان ہو گئیں۔"[24] یہ قول کلامی اور روحانی دونوں پہلو رکھتا ہے۔ کلامی اعتبار سے اس میں تقدیر اور اللہ کی قدرت پر ایمان کا تصور شامل ہے، جبکہ عملی اعتبار سے یہ عوام کو زندگی کی مشکلات میں صبر اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

آپ کی خانقاہ میں آنے والے لوگ صرف علمی یا روحانی تربیت نہیں لیتے تھے بلکہ اپنی عملی زندگی کے مسائل کا حل بھی پاتے تھے۔ اس کا سب سے بڑا اثر یہ ہوا کہ دہلی کے عوام میں توکل، قناعت اور صبر جیسی صفات عام ہوئیں، اور ایمان کی اصل روح کو روزمرہ زندگی میں محسوس کیا جانے لگا۔

آپ نے اپنے ملفوظات میں عبادات کی ظاہری شکل کے ساتھ ساتھ ان کی روح پر بھی زور دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "نماز بندے کو اللہ کے قریب کرتی ہے، لیکن اگر دل اللہ کی یاد سے غافل ہو تو محض جسمانی حرکات کچھ فائدہ نہیں دیتیں۔ یہ تعلیم کلامی پہلو بھی رکھتی ہے کیونکہ اس میں ایمان اور عمل کے تعلق کو واضح کیا گیا ہے۔ آپ کے نزدیک ایمان صرف زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ دل کی گہرائی اور عمل کی سچائی اس کا لازمی تقاضا ہے۔

حضرت بختیار کاکیؒ کے ملفوظات نے دہلی کے عوام پر گہرے اثرات ڈالے۔ ان کی خانقاہ میں ہندو اور مسلمان یکساں شریک ہوتے اور آپ سب کو صبر، توکل اور ایمان کی تعلیم دیتے۔ اس اسلوب نے نہ صرف اسلام کے کلامی عقائد کو عام کیا بلکہ معاشرتی ہم آہنگی کو بھی فروغ دیا۔ دہلی کی فضا میں آپ کی تعلیمات کی بدولت مذہبی رواداری اور باہمی تعلقات مضبوط ہوئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ملفوظات یہ ثابت کرتے ہیں کہ چشتیہ مشائخ نے کلامی مباحث کو محض نظری اور فلسفیانہ بحث کے طور پر پیش نہیں کیا بلکہ عوامی اصلاح اور عملی زندگی سے جوڑ دیا۔ آپ نے جبر و قدر کے مسئلے کو معتدل انداز میں بیان کیا، توکل کی تعلیم کو عام کیا، اور ایمان و عمل کے تعلق کو واضح کیا۔ یہی پہلو ان کے ملفوظات کو برصغیر کی مذہبی و فکری روایت میں ایک بنیادی ماخذ بناتے ہیں۔

حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ

برصغیر میں سلسلہ چشتیہ کے جنوبی ہند اور ملتان کے خطے میں نمایاں ترین بزرگوں میں حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ (1770–1850ء) کا نام آتا ہے۔ آپ کو "غوث تونسوی" کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ کے ملفوظات، مواعظ اور مکاتبات نہ صرف صوفیانہ افکار بلکہ کلامی مباحث کے اعتبار سے بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک ایسے دور میں دین کی خدمت کی جب برصغیر سیاسی انتشار اور فکری زوال کا شکار تھا۔

---

[21] ۔ قطب الدین بختیار کاکیؒ، اقوالِ قطب، دہلی: مطبع مجتبائی، 1911، ص 14۔

[22] ۔ محمد زکریا المہاجر المدنی، تاریخ مشائخ چشت (کراچی: مکتبۂ الشیخ، ص. 171۔

[23] ۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم (لاہور: مکتبۂ نبویہ، 1994)، ص. 77۔

[24] ۔ قطب الدین بختیار کاکیؒ، اقوالِ قطب، دہلی: مطبع مجتبائی، 1911، ص 14۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

حضرت تونسویؒ کے ملفوظات زیادہ تر ان کے خلفاء اور مریدین نے جمع کیے۔ "مکاتیب غوثیہ" اور بعض ملفوظاتی تذکرے ان کی تعلیمات کا بنیادی ماخذ ہیں[25]۔ ان کے کلام میں توحید، نبوت، تقدیر اور آخرت جیسے مسائل بار بار سامنے آتے ہیں۔

شاہ سلیمان تونسویؒ کی تعلیمات میں سب سے زیادہ زور **توحید** پر ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "ذاتِ باری تعالیٰ بے مثال ہے، جس کی نہ کوئی نظیر ہے نہ شریک۔" یہ بیان واضح کرتا ہے کہ آپ نے عوام میں توحیدِ خالص کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے صوفیانہ زبان کو استعمال کیا۔

آپ نے نبوت کو ہدایتِ الٰہی کا مرکز قرار دیا اور ختمِ نبوت کے عقیدے کو ایمان کی اساس بتایا۔[3] یہ اس دور کی اس فکری فضا کا رد تھا جس میں بعض باطنی فرقے نبوت کی نئی تعبیرات پیش کر رہے تھے۔

آپ نے تقدیر کے مسئلے پر درمیانی راہ اختیار کی۔ مریدین کو سمجھایا کہ انسان کو عمل کی آزادی حاصل ہے لیکن یہ آزادی اللہ کی مشیت کے دائرے میں ہے[26]۔ یہ موقف اشعری مکتبِ فکر کے قریب ہے، جس نے جبر و قدر کے تضاد کو معتدل انداز میں حل کیا۔

شاہ سلیمان تونسویؒ نے آخرت کے تصور کو تزکیۂ نفس کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا۔ ان کے ملفوظات میں برزخ، قیامت اور اعمال کے حساب کا بار بار ذکر ملتا ہے[27]۔ ان کے نزدیک آخرت پر ایمان صرف علمی مسئلہ نہیں بلکہ عملی احتساب کی بنیاد ہے۔

آپ کے کلامی مباحث زیادہ تر صوفیانہ اسلوب میں بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً جب تقدیر یا توحید کی بات کرتے ہیں تو ساتھ ہی ذکر و فکر اور ریاضت کی اہمیت بھی جتاتے ہیں[28]۔ اس طرح کلامی مسائل محض عقلی نہیں رہتے بلکہ عملی و روحانی تربیت کا حصہ بن جاتے ہیں۔

شاہ سلیمان تونسویؒ نے نہ صرف اپنے خلفاء کی ایک بڑی جماعت تیار کی بلکہ جنوبی ایشیا میں لاکھوں افراد کے ایمان و عقائد کو مضبوط بنایا۔ ان کی تعلیمات نے صوفیانہ روایت میں کلامی وضاحت کی ایک نئی جہت پیدا کی، جو عوامی سطح پر زیادہ قابلِ فہم اور قابلِ عمل تھی۔

خلاصہ یہ ہے کہ خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے ملفوظاتی ادب میں توحید، نبوت، تقدیر اور آخرت جیسے کلامی مباحث اشاراتی اور عملی رنگ میں بیان ہوئے ہیں۔ آپ نے انہیں روحانی مجاہدہ اور تزکیۂ نفس کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا اور اس طرح نہ صرف اپنے مریدین بلکہ پورے برصغیر کی فکری و روحانی تاریخ پر دیرپا اثر ڈالا۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ

برصغیر کے دینی و روحانی مراکز میں خواجہ شمس الدین سیالویؒ (م 1883ء) ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ سلسلہ چشتیہ کے عظیم صوفی اور صاحبِ سلوک و طریقت بزرگ تھے جنہوں نے برصغیر کے علمی و روحانی ماحول پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ سیال شریف (ضلع سرگودھا) آپ کا مرکزِ فیض تھا، جہاں سے آپ نے ظاہری و باطنی علوم کو عام کیا۔ آپ کے ملفوظات میں جہاں سلوکی و اخلاقی تعلیمات ملتی ہیں، وہیں کلامی مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کلامی مباحث سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے نہ صرف شریعت و طریقت کا رشتہ مضبوط کیا بلکہ اعتقادی مباحث میں اہلِ سنت کے معتدل اور متوازن موقف کی ترجمانی کی۔

خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ملفوظات میں سب سے بنیادی کلامی بحث توحید و شرک سے متعلق ملتی ہے۔ آپ نے بارہا اس بات پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ہی دین کی اصل بنیاد ہے۔ آپ کے نزدیک اولیاء اللہ کی تعظیم اور ان سے فیض حاصل کرنا عین توحید کے مطابق ہے، بشرطیکہ اس میں الوہیت کا شائبہ نہ ہو۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا:

---

[25] ۔ غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم (لاہور: مکتبہ نبویہ، 1965)، ص 201۔

[26] ۔ 3 سید عبداللہ، برصغیر میں تصوف (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1965)، ص 145۔

[27] ۔ فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیاء (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص 118۔

[28] ۔ عزیز احمد، Studies in Islamic Culture in the Indian Environment (آکسفورڈ: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1964)، ص 152۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

" اللہ تعالیٰ ہی خالقِ حقیقی ہے، ہم سب محتاج ہیں، اولیاء کی کرامات بھی اسی کے اذن سے ظاہر ہوتی ہیں" ۔[29]

یہ کلامی وضاحت دراصل ان شبہات کے جواب میں تھی جو بعض گروہ اولیاء کرام کی تعظیم کو شرک سے تعبیر کرتے تھے۔

ملفوظات میں آپ نے نبوت اور رسالت کے منصب کو بھی کلامی تناظر میں بیان کیا۔ آپ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ تمام انبیاء کے سردار ہیں اور ان کی شفاعت، فضیلت اور ختمِ نبوت کے عقیدے پر ایمان رکھنا ایمان کی تکمیل کے لیے لازم ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"ختمِ نبوت کا عقیدہ اہلِ سنت کے ایمان کی اساس ہے، جو اس میں شک کرے وہ راہِ حق سے دور ہے" ۔[30]

اہلِ سنت کے متکلمین نے ہمیشہ ایمان اور عمل کے تعلق پر گفتگو کی ہے۔ خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے بھی اس مسئلے کو واضح کیا۔ آپ کے نزدیک ایمان دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے، جبکہ اعمال اس کی تکمیل ہیں۔ ایک مجلس میں آپ نے کہا:

"نماز اور روزہ ایمان کی بنیاد کو مضبوط کرتے ہیں، لیکن اصل ایمان دل کی تصدیق ہے۔[31] "

یہ موقف معتزلہ اور خوارج کے اس نظریے کے رد میں تھا جو ایمان کے بغیر اعمال کو کافی یا اعمال کے بغیر ایمان کو ناقص قرار دیتے تھے۔

کلامی مباحث میں تقدیر و اختیار ہمیشہ بنیادی رہا ہے۔ آپ نے ملفوظات میں اس مسئلے پر اہلِ سنت کا موقف اپنایا۔ ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:

"انسان اپنے اعمال میں کسب رکھتا ہے مگر خالقِ حقیقی اللہ ہی ہے، بندہ اپنے اختیار سے نیکی اور بدی کا راستہ چنتا ہے مگر تخلیق اللہ کی ہے۔[32] "

یہ بات اشاعرہ و ماتریدیہ کے نظریہ کسب کی تائید ہے۔

خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے کلامی مباحث کو محض فلسفیانہ سطح پر نہیں پیش کیا بلکہ انہیں عملی اور روحانی تناظر میں سمجھایا۔ آپ کے نزدیک تصوف اور کلام میں تضاد نہیں بلکہ تطبیق ہے۔ آپ نے اپنے مریدین کو ہمیشہ اس بات کی تلقین کی کہ عقائد میں مضبوطی اور اعمال میں اخلاص اختیار کریں۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے ملفوظات اس بات کا عملی ثبوت ہیں کہ برصغیر کے صوفیاء نے کلامی مباحث میں اہلِ سنت کے اصولی اور اعتدال پسندانہ موقف کو عام کیا۔ آپ نے توحید و شرک، ختمِ نبوت، ایمان و عمل، اور تقدیر و اختیار جیسے مسائل میں متوازن اور واضح تعلیمات پیش کیں۔ یہ مباحث نہ صرف اس دور کے فکری اختلافات کا جواب تھے بلکہ آج کے دور میں بھی ان کی افادیت مسلم ہے۔

حضرت سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ

برصغیر میں تصوف و روحانیت کی تاریخ میں سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ (م 1936ء) ایک منفرد اور عظیم المرتبت بزرگ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ آپ کا تعلق خانوادۂ اشرفیہ سے تھا اور سمنان (ہندوستان) سے ہجرت کے بعد برصغیر میں روحانی فیوض و برکات کو عام کیا۔ آپ نے اپنے ملفوظات کے ذریعے عوام اور خواص کی تربیت کی اور اعتقادی و کلامی مسائل کو صوفیانہ رنگ میں بیان کیا۔ اس تجزیے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے ملفوظات میں کلامی مباحث کو سادہ، حکیمانہ اور عملی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ کی تعلیمات میں توحید مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کے نزدیک اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اور کائنات کی ہر شے اسی کے حکم کی تابع ہے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی الوہیت یکتا ہے، بندہ اس کا عبد ہے، بندگی ہی اصل شرف ہے۔[33] "

یہ وضاحت اس دور کے انحرافات اور بدعات کے رد میں تھی جن میں بعض لوگ اولیاء کو الوہیت کے درجے تک پہنچانے لگے تھے۔

---

[29] ۔ محمد دین سیالوی، ملفوظاتِ شمس العارفین، لاہور: مکتبہ صدیقیہ، 1972، ص 55۔

[30] ۔ عبدالرؤف سیالوی، حیات و تعلیماتِ خواجہ شمس الدین سیالوی، لاہور: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1985، ص 112۔

[31] ۔ غلام شبیر انصاری، تصوف و کلام: برصغیر میں فکری مباحث، اسلام آباد: مجلس ترقی ادب، 1990، ص 167۔

[32] ۔ محمد یوسف، اولیائے سیال شریف اور ان کی دینی خدمات، سرگودھا: مکتبہ رضویہ، 2001، ص 94۔

[33] ۔ سید فخر الدین اشرف، ملفوظاتِ جہانگیر اشرف سمنانی، دہلی: مکتبہ اشرفیہ، 1954، ص 73۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

آپ نے ختمِ نبوت کے عقیدے کو بنیادی عقیدہ قرار دیا۔ ملفوظات میں آیا ہے کہ:

"محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں، ان کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا، شریعتِ محمدی ہی قیامت تک کے لیے راہِ ہدایت ہے۔[34]"

یہ موقف نہ صرف اہلِ سنت کے اعتقادی اصول کی تائید کرتا ہے بلکہ امت کو فرقہ وارانہ انحرافات سے بچانے کی کوشش بھی ہے۔

جہانگیر اشرف سمنانیؒ نے ایمان کو محض عقیدہ نہیں بلکہ معرفت کے ساتھ جوڑا۔ آپ کے نزدیک ایمان اُس وقت کامل ہوتا ہے جب بندہ اللہ کو معرفت کے ساتھ پہچانے اور رسول اکرم ﷺ کی سنت کو عملی زندگی میں اختیار کرے۔ آپ نے فرمایا:

"ایمان تصدیق کے ساتھ ساتھ معرفت کا نام ہے، محض زبانی اقرار کافی نہیں جب تک دل اللہ کی عظمت کو نہ پہچانے۔[35]"

کلامی مباحث میں تقدیر کا مسئلہ ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ آپ نے اس مسئلے پر اہلِ سنت کے عقیدے کو اپنایا اور فرمایا:

"تقدیر اللہ کا علم ہے جو ازل سے ہے، بندہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے، نیکی اختیار کرے تو اجر ہے اور بدی اختیار کرے تو سزا۔[36]"

یہ موقف تقدیر اور اختیار کے درمیان اعتدال کی بہترین مثال ہے۔

آپ کے ملفوظات میں تصوف اور کلام کی ہم آہنگی نظر آتی ہے۔ آپ نے فلسفیانہ اصطلاحات میں الجھنے کے بجائے عام فہم اور تربیتی انداز میں کلامی مباحث کو سمجھایا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیمات عامۃ الناس کے لیے زیادہ قابلِ فہم اور قابلِ عمل تھیں۔

سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ کے ملفوظات اس بات کا ثبوت ہیں کہ صوفیاء کرام نے کلامی مباحث کو محض علمی اور فلسفیانہ موضوع نہیں سمجھا بلکہ عوام کی اصلاح اور تربیت کے لیے ایک ذریعہ بنایا۔ توحید، ختمِ نبوت، ایمان اور تقدیر جیسے بنیادی عقائد کو آپ نے نہایت سادگی اور حکمت سے بیان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعلیمات آج بھی اہلِ ایمان کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ

برصغیر میں تصوف و کلام کے امتزاج کی بہترین مثال حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ (م 1937ء) کی شخصیت ہے۔ آپ سلسلۂ چشتیہ کے ایک ممتاز بزرگ اور اہلِ سنت کے عظیم مدافع تھے۔ آپ نے اپنے ملفوظات اور تصانیف کے ذریعے نہ صرف روحانی فیوض عام کیے بلکہ ان کلامی مباحث کا بھی بھرپور دفاع کیا جو اُس دور میں منکرین اور فتنہ پرست گروہوں کی طرف سے اٹھائے گئے۔

حضرت پیر مہر علی شاہؒ کا سب سے نمایاں کلامی کارنامہ ختمِ نبوت کے عقیدے کا دفاع ہے۔ قادیانی فتنے کے عروج پر آپ نے علمی و روحانی میدان میں اس کا مقابلہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"محمد مصطفی ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کسی قسم کی نبوت ممکن نہیں، جو اس کا منکر ہو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔[37]"

یہ موقف محض ایک علمی رائے نہیں تھا بلکہ عملی طور پر مناظروں اور تصانیف کے ذریعے پیش کیا گیا، جس کا اثر برصغیر کی دینی و فکری فضا پر گہرا ہوا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے حوالے سے معتزلہ اور دیگر فلسفیانہ افکار کے برخلاف اہلِ سنت کا موقف اپنایا۔ آپ نے بیان کیا:

"اللہ کی صفات اس کی ذات کا لازمی حصہ ہیں، ان میں کوئی کمی یا زیادتی کا تصور کفر ہے۔[38]"

یہ موقف اشعری و ماتریدی مکاتبِ فکر کے ساتھ ہم آہنگ تھا اور امت کے اعتقادی استحکام کا باعث بنا۔

پیر مہر علی شاہؒ کے نزدیک ایمان صرف اقرار کا نام نہیں بلکہ علم و معرفت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

---

[34] ۔ محمد اشرفی، حیات و تعلیماتِ جہانگیر اشرف سمنانی، لکھنؤ: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1978، ص 115۔

[35] ۔ عبدالحکیم ندوی، برصغیر میں تصوف و کلام، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1982، ص 142۔

[36] ۔ غلام شبیر قادری، تصوف کی کلامی جہات، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 1990، ص 98۔

[37] ۔ پیر مہر علی شاہ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، لاہور: مطبع انوار، 1912، ص 45۔

[38] ۔ پیر مہر علی شاہ، سیفِ چشتیائی، لاہور: مکتبہ غوثیہ، 1935، ص 112۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

"ایمان کی تکمیل علم کے بغیر ممکن نہیں، جاہل مومن فتنے کا شکار ہو جاتا ہے۔[39]"

یہاں وہ تصوف کو جہالت سے الگ کر کے علمِ دین کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔

کلامی مباحث میں تقدیر کے مسئلے پر آپ نے اہلِ سنت کے موقف کو مضبوطی سے بیان کیا۔ آپ کے نزدیک:

"تقدیر ازل میں لکھی ہوئی ہے مگر بندے کے اعمال اس کے اختیار سے ہوتے ہیں، اسی پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔

یہ تعبیر ایک ایسا معتدل نقطۂ نظر ہے جو جبر اور تفویض کے درمیان اہلِ سنت کا نظریہ واضح کرتا ہے۔

آپ نے کلامی بحثوں میں معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء کے ثبوت کو بھی بیان کیا۔ مخالفین کی طرف سے جب کرامات کا انکار ہوا تو آپ نے فرمایا:

"کرامت اولیاء کے لیے ثابت ہے، مگر یہ سب کچھ اللہ کے اذن اور اس کی قدرت سے ہے، نہ کہ ولی کی ذات سے۔[40] "

یہ وضاحت صوفیانہ افکار کو کلامی استدلال کے ساتھ مضبوط بناتی ہے۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ کے ملفوظات اور کلامی بیانات اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ صوفیہ نے دین کے اعتقادی پہلو کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا۔ ختمِ نبوت، توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، ایمان اور تقدیر جیسے بنیادی مسائل کو انہوں نے نہایت وضاحت، دلائل اور روحانی انداز میں بیان کیا۔ اس طرح آپ کی شخصیت کلامی و روحانی دونوں جہتوں سے برصغیر کی تاریخ میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔

چشتیہ مشائخ کے ملفوظات میں کلامی مباحث

چشتیہ مشائخ کے ملفوظات میں سب سے زیادہ نمایاں موضوع اللہ کی ذات و صفات اور ایمان و کفر کے مباحث ہیں۔ حضرت معین الدین چشتیؒ نے اپنی مجلسوں میں بارہا اس حقیقت پر زور دیا کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس کی صفات اس کی ذات سے جدا نہیں۔ یہ عقیدہ دراصل علمِ کلام کے اس بنیادی اصول کی وضاحت ہے جسے اہلِ سنت والجماعت نے ہمیشہ تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا کہ "ایمان محض زبان کے اقرار کا نام نہیں بلکہ دل کے یقین اور عمل کی تصدیق کا تقاضا بھی ہے[41]۔ یہ تعبیر ایمان کے کلامی مفہوم کو نہایت سادہ زبان میں واضح کرتی ہے اور یہ موقف خوارج اور مرجیہ کے افراط و تفریط سے بچاتا ہے۔

ایمان و کفر کے مسئلے پر مشائخِ چشت نے ایک متوازن رویہ اپنایا۔ ان کے نزدیک کفر صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے واضح انکار کی صورت میں ہے، جبکہ گناہ کے باوجود مسلمان اپنے ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔[42] یہ تعلیمات نہ صرف کلامی مباحث کی ترجمانی کرتی ہیں بلکہ عوام کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے شبہات کا بھی ازالہ کرتی ہیں۔

جبر و قدر کا مسئلہ اسلامی کلامیات میں ہمیشہ سے ایک مشکل موضوع رہا ہے۔ صوفیائے چشت نے اس مسئلے کو نہایت متوازن انداز میں پیش کیا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنے ملفوظات میں وضاحت کی کہ "انسان کے اعمال اس کے اپنے اختیار میں ہیں مگر ان کا انجام اور تقدیر اللہ کی مشیت کے تحت ہے۔"[43] یہ موقف اہلِ سنت کے اعتدال کی عکاسی کرتا ہے جو نہ جبریہ کے قریب ہے اور نہ ہی معتزلہ کے۔

نبوت و رسالت کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا: "انبیا علیہم السلام کی بعثت دراصل انسانیت کی ہدایت کے لیے ہے اور ان کی عصمت ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔"[44] یہ بات عوامی انداز میں نبوت کے کلامی عقیدے کو بیان کرتی ہے۔

---

[39] ۔عبدالحی فرنگی محلی، برصغیر میں کلامی مناظرات، دہلی: مجلس تحقیقات اسلامی، 1960، ص 201۔

[40] ۔غلام رسول قادری، مہر منیر: حیات پیر مہر علی شاہ، لاہور: مجلس اشاعت اسلام، 1990، ص 135۔

[41] ۔نظام الدین اولیاء، فوائد الفوائد، دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۸۷۲، ص ۴۲۔

[42] ۔شبلی نعمانی، علم الکلام، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2010، ص 256۔

[43] ۔قطب الدین بختیار کاکی، اقوالِ قطب، دہلی: مطبع نظامی، ۱۹۰۸، ص ۳۳۔

[44] ۔۔نظام الدین اولیاء، فوائد الفوائد، دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۸۷۲، ص ۵۸۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

آخرت کے مباحث میں چشتیہ مشائخ نے خاص طور پر موت، قبر، برزخ اور قیامت کے احوال پر زور دیا۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے فرمایا کہ "قبر کی پہلی رات سب سے بڑی آزمائش ہے، اس کی تیاری دنیا ہی میں نیک اعمال سے کرنی چاہیے۔"[45] حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے موت کو فنا نہیں بلکہ عالمِ دنیا سے عالمِ آخرت کی طرف انتقال قرار دیا۔ ان اقوال سے واضح ہے کہ چشتیہ مشائخ نے اخروی عقائد کو عوامی سطح پر اس طرح بیان کیا کہ ان میں خوفِ آخرت اور عملِ صالح کی ترغیب پیدا ہو۔

حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے ملفوظات میں بھی توحید، نبوت، تقدیر اور آخرت بار بار جلوہ گر ہوتے ہیں۔ آپ فرماتے تھے: "ذاتِ باری تعالیٰ بے مثال ہے، جس کی نہ کوئی نظیر ہے نہ شریک" اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے عوام میں توحیدِ خالص کی تعلیم کو عملی اور صوفیانہ زبان میں عام کیا۔ نبوت کے حوالے سے آپ نے فرمایا کہ ختمِ نبوت ایمان کی بنیاد ہے، اور تقدیر کے مسئلے پر آپ نے اعتدال اختیار کرتے ہوئے انسان کی عمل کی آزادی اور اللہ کی مشیت کے تعلق کو واضح کیا۔

اسی طرح حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ نے بھی کلامی اور صوفیانہ تعلیمات میں اعتدال پسندی کو فروغ دیا۔ آپ کے ملفوظات میں توحید و شرک کی وضاحت اور اولیاء کی تعظیم کی حدود بیان کی گئی ہیں تاکہ ان کی تعظیم شرک کے زمرے میں نہ آئے[46]۔ آپ نے ایمان و عمل، ختمِ نبوت اور تقدیر و اختیار کے مسائل کو اہلِ سنت کے معتدل موقف کے مطابق سمجھایا۔ آپ کے ملفوظات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیانہ اور کلامی تعلیمات میں تضاد نہیں بلکہ ہم آہنگی ہے۔

سید جہانگیر اشرف سمنانیؒ نے بھی عوامی سطح پر کلامی اور صوفیانہ تعلیمات کو یکجا کیا۔ آپ کے نزدیک توحید کی تعلیم عملی بندگی سے جڑی ہے اور ایمان معرفت کے ساتھ مکمل ہوتا ہے[10]۔ آپ نے تقدیر اور اختیار کے درمیان اعتدال قائم کرتے ہوئے بتایا کہ اللہ کی ازلی علمیت کے ساتھ بندہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے[47]۔ آپ کے ملفوظات نے تصوف اور کلام کو عام فہم اور عملی رنگ میں پیش کیا، تاکہ عوام نہ صرف عقائد سمجھیں بلکہ اپنی زندگی میں ان پر عمل بھی کریں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ نے بھی برصغیر میں تصوف اور کلام کے امتزاج کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ آپ نے ختمِ نبوت کے عقیدے، توحید اور صفاتِ باری تعالیٰ کے مسائل کو نہایت وضاحت اور دلائل کے ساتھ بیان کیا۔ آپ کے مطابق ایمان علم و معرفت کے ساتھ جڑا ہوتا ہے، اور تقدیر کے اصول کو اختیار کے ساتھ متوازن انداز میں سمجھایا گیا۔ آپ نے کراماتِ اولیاء کو بھی اللہ کی قدرت اور اجازت کے دائرے میں محدود کر کے عوام میں اعتدال پسندانہ تعلیمات کو عام کیا۔

ان صوفیائے کرام کے ملفوظات ظاہر کرتے ہیں کہ برصغیر میں صوفیانہ تعلیمات محض روحانی تجربات تک محدود نہیں رہیں بلکہ کلامی اور اعتقادی مباحث میں بھی عوام کی رہنمائی کا ذریعہ بنیں۔ توحید، نبوت، تقدیر، ایمان اور آخرت جیسے بنیادی عقائد کو عملی زندگی، اخلاقی تربیت، اور تصوف کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا گیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیاء کرام نے دین کے علمی، روحانی اور عملی پہلوؤں کو یکجا کر کے عوام کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کی۔

یوں، برصغیر کے چشتیہ مشائخ کے ملفوظات آج بھی نہ صرف روحانی فیوض کا ذریعہ ہیں بلکہ کلامی اور اعتقادی مسائل میں عوام کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ان کے اصول، اعتدال پسندی اور علمی وضاحت آج کے دور میں بھی اہلِ ایمان کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں، اور دین کی عملی و فکری ترویج میں ان کا کردار لازوال ہے۔

مزید براں یہ تمام مباحث اس حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ چشتیہ ملفوظات اسلامی کلامیات کا ایک عملی اور اصلاحی مظہر ہیں۔ ان میں عقائد کو محض نظری سطح پر بیان کرنے کے بجائے انہیں عوام کی عملی زندگی سے جوڑ کر پیش کیا گیا۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات میں کلامی مباحث کو ہمیشہ ایسے اسلوب میں بیان کیا گیا جس سے عام انسان کے دل میں ایمان کی جڑیں مضبوط ہوں اور وہ اپنے عمل کو سنوارنے پر آمادہ ہو۔ اگر اہلِ مدرسہ کے ہاں یہ مباحث زیادہ تر فلسفیانہ اور منطقی انداز میں پیش کیے جاتے تھے تو خانقاہی ماحول میں یہ مباحث دل کو نرم کرنے، خوفِ خدا پیدا کرنے اور عملِ صالح کی طرف راغب کرنے کا ذریعہ بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف یہ ملفوظات علمی دنیا کے لیے کلامی نکات کا خزانہ ہیں اور دوسری طرف عوامی سطح پر دینی شعور اور روحانی اصلاح کا ذریعہ بھی ہیں۔

ان مباحث کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں کلامی عقائد کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں کے ساتھ جوڑا گیا۔ توحید کو محض ایک نظری عقیدہ بیان کرنے کے بجائے عملی توکل اور بندگی کے طور پر سمجھایا گیا۔ ایمان کو محض اقرارِ زبان کی بجائے دل کی کیفیت اور کردار کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ جبر و قدر کے مسئلے کو ایسی شکل میں واضح کیا گیا

---

[45] ۔ فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیاء (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص 118۔

[46] ۔ عبد الرؤف سیالوی، حیات و تعلیماتِ خواجہ شمس الدین سیالوی، لاہور: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1985، ص 112۔

[47] ۔ عبد الحکیم ندوی، برصغیر میں تصوف و کلام، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1982، ص 142۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

کہ بندہ اپنی ذمہ داری سے غافل بھی نہ ہو اور مایوسی کا شکار بھی نہ ہو۔ نبوت و رسالت کے مباحث کو صرف عقلی ضرورت کے طور پر بیان کرنے کے بجائے انبیا کی عصمت اور عملی ہدایت کے ساتھ وابستہ کیا گیا۔ اور آخرت کے تصورات کو محض موت کے بعد کے مناظر کی خبر نہیں بلکہ عملی زندگی میں نیک اعمال کی بنیاد بنایا گیا۔

یہی وہ پہلو ہے جس نے چشتیہ ملفوظات کو صرف خانقاہی گفتگو یا ذاتی نصیحت تک محدود نہیں رہنے دیا بلکہ اسلامی کلامیات کے ایک عملی اظہار میں بدل دیا۔ آج کے دور میں جب عقیدے کے بارے میں مختلف فکری سوالات اور شبہات جنم لے رہے ہیں، ان ملفوظات کا مطالعہ ہمیں یہ رہنمائی دیتا ہے کہ کس طرح بنیادی عقائد کو سادہ، عام فہم اور عملی انداز میں پیش کیا جائے تاکہ وہ محض علمی کتابوں تک محدود نہ رہیں بلکہ عوامی زندگی میں جیتے جاگتے اصولوں کے طور پر نافذ ہو سکیں۔

صوفیانہ اسلوب میں کلامی مباحث کو پیش کرنا

چشتیہ مشائخ کے ملفوظات کا مطالعہ یہ حقیقت آشکار کرتا ہے کہ انہوں نے کلامی مباحث کو فلسفیانہ مناظروں اور مدرساتی اصطلاحات کے بجائے صوفیانہ اور عوامی زبان میں پیش کیا۔ ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ پیچیدہ عقلی موشگافیوں میں سامعین کو الجھایا جائے بلکہ یہ تھا کہ عقائد کی اصل روح دلوں میں اتر جائے۔ مثال کے طور پر جبر و قدر کے مسئلے کو صدیوں تک علماء اور متکلمین نے بڑی تفصیل سے بیان کیا، لیکن عام لوگوں کے لیے یہ ہمیشہ ایک مشکل سوال رہا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اس موضوع کو نہایت سہل انداز میں یوں سمجھایا کہ "انسان کے اعمال اس کے اختیار میں ضرور ہیں لیکن اس کی تقدیر اور انجام اللہ کی مشیت کے تابع ہے۔"[48] یہ ایک جملہ نہ صرف مسئلے کی وضاحت کرتا ہے بلکہ سامع کو یہ احساس بھی دلاتا ہے کہ وہ اپنے عمل کا ذمہ دار ہے اور پھر بھی اللہ کی قدرت سے باہر نہیں جا سکتا۔

اسی طرح ایمان و کفر کے مسئلے میں بھی چشتیہ مشائخ نے نہایت معتدل اور واضح موقف اپنایا۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ "ایمان صرف زبان کے اقرار کا نام نہیں، بلکہ دل کی تصدیق اور عمل کی سچائی بھی اس کا لازمی جز ہے۔"[49] یہ تعلیم خوارج اور مرجیہ کے انتہا پسندانہ نظریات کی نفی کرتی ہے اور اہلِ سنت کے اس موقف کو عام کرتی ہے کہ ایمان محض قول نہیں بلکہ قول، عمل اور نیت تینوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ان اقوال کی اہمیت یہ ہے کہ وہ عوامی سطح پر ایمان کی حقیقت کو روشن کرتے ہیں اور مذہبی افراط و تفریط سے محفوظ رکھتے ہیں۔

ملفوظات کی اصلاحی و عملی معنویت

چشتیہ مشائخ کے ملفوظات کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ ان میں کلامی مباحث محض علمی اور نظری صورت میں بیان نہیں کیے گئے بلکہ ان کا عملی اور اصلاحی پہلو بھی ہمیشہ نمایاں رہا۔ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے بارہا قبر اور آخرت کے حوالے سے نصیحت کی اور فرمایا: "قبر کی پہلی رات اصل امتحان ہے، اس کے لیے دنیا ہی میں زادِ راہ جمع کرنا چاہیے، اور وہ نیک اعمال اور ذکرِ الٰہی ہیں۔"[50] یہ جملہ عقیدۂ آخرت کو ایک زندہ حقیقت میں بدل دیتا ہے اور سننے والے کو براہِ راست اپنی عملی زندگی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تعلیمات صرف علمی حلقوں تک محدود نہ رہیں بلکہ عوام کے دلوں میں بھی اتر گئیں۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے موت کے بارے میں فرمایا کہ "موت فنا نہیں بلکہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال ہے۔" یہ تصور برزخ کے کلامی مباحث کو نہایت واضح اور سادہ پیرائے میں پیش کرتا ہے۔ اس بیان کا مقصد صرف ایک عقیدہ سمجھانا نہیں تھا بلکہ مریدین کے دلوں میں خوفِ آخرت اور اعمال کی درستگی پیدا کرنا بھی تھا۔ اسی طرح حضرت معین الدین چشتیؒ کے ملفوظات میں توحید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ شرک اور بدعات سے بچنے کی ہدایت ملتی ہے۔[51] یہ تعلیمات اس بات کا ثبوت ہیں کہ چشتیہ مشائخ نے عقائد کو زندگی کے عملی رویوں سے جوڑ کر پیش کیا، تاکہ ایمان محض ایک نظری تصور نہ رہے بلکہ انسان کی پوری زندگی پر اثر انداز ہو۔

ان تمام نکات سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ چشتیہ ملفوظات محض روحانی اور اخلاقی نصائح نہیں بلکہ اسلامی کلامیات کا ایک عوامی اور عملی اظہار بھی ہیں۔ انہوں نے عوامی ذہن سازی میں بنیادی کردار ادا کیا اور برصغیر کے مسلمانوں کو عقیدے اور عمل دونوں پہلوؤں سے مضبوط کیا۔ ان ملفوظات کی سب سے بڑی افادیت یہی ہے کہ وہ پیچیدہ نظریات کو دل نشین اور اصلاحی پیرائے میں منتقل کرتے ہیں، اور اسی وجہ سے آج بھی یہ برصغیر کے دینی اور فکری سرمایے میں زندہ اور مؤثر ہیں۔

---

[48] ۔ قطب الدین بختیار کاکی، اقوالِ قطب، دہلی: مطبع نظامی، ۱۹۰۸، ص ۳۳۔

[49] ۔ نظام الدین اولیاء، فوائد الفوائد، دہلی: مطبع مجتبائی، ۱۸۷۲، ص ۴۲۔ (ماخذ اردو ترجمہ)

[50] ۔ فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیاء (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص 118۔ (ماخذ اردو ترجمہ)

[51] ۔ معین الدین چشتی، تجلیات انوار المعین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۰، ص ۹۹۔ (ماخذ اردو ترجمہ)

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

یہ حقیقت بھی اہم ہے کہ چشتیہ مشائخ کے کلامی افکار نے صرف انفرادی اصلاح تک محدود رہنے کے بجائے ایک اجتماعی فضا بھی تشکیل دی۔ خانقاہی مجالس میں بیان ہونے والے یہ ملفوظات سماج میں ایک ایسا دینی شعور پیدا کرتے تھے جو نہ صرف عقائد کو مضبوط کرتا بلکہ اخلاقی اور عملی پہلوؤں کو بھی جِلا بخشتا۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ ملفوظات فرد اور معاشرے دونوں کے لیے ایک فکری و روحانی رہنمائی کا ذریعہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام الناس اپنے روزمرہ کے مسائل کے حل کے لیے بھی خانقاہوں کا رخ کرتے اور وہاں انہیں دین کے بنیادی اصولوں پر مبنی جواب اور رہنمائی ملتی۔

مزید برآں، ان ملفوظات میں پیش کیے گئے کلامی مباحث نے مذہبی اختلافات کو کم کرنے اور امت کو فکری وحدت کی طرف لانے میں بھی کردار ادا کیا۔ جبریہ اور معتزلہ جیسے مکاتبِ فکر کے مابین صدیوں سے جاری مباحث کو چشتیہ مشائخ نے اس انداز میں بیان کیا کہ عوام میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو، بلکہ ایک اعتدال پسند اور متوازن تصور قائم ہو۔ یہی ان کی حکمت عملی تھی کہ وہ نظری اختلاف کو عملی زندگی کے تقویٰ اور اخلاقیات سے جوڑ کر پیش کرتے۔

یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات نے دین کے عملی تقاضوں کو زیادہ اہمیت دی۔ ان کے نزدیک ایمان کا اصل مقصد انسان کو بہتر اخلاق اور خالص عبادت کی طرف لے جانا تھا۔ اسی لیے ان کی باتیں محض علمی مناظرے نہیں بلکہ دلوں کو بدلنے والی حکمتیں تھیں۔ آج کے دور میں جب مذہبی فکر اکثر یا تو فلسفیانہ موشگافیوں میں الجھ جاتی ہے یا محض جذباتی نعروں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے، چشتیہ ملفوظات ایک معتدل اور متوازن راہ دکھاتے ہیں۔ یہ راہ یہ ہے کہ دین کی اصل روح کو عام فہم اور اصلاحی اسلوب میں بیان کیا جائے تاکہ عقائد محض دماغوں میں نہ رہیں بلکہ عملی زندگی میں جھلکیں۔

نتائج

1۔ اس تحقیق سے یہ بات نمایاں طور پر سامنے آئی کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات محض روحانی اور اخلاقی نصائح نہیں ہیں بلکہ اسلامی کلامیات کا ایک اہم ماخذ بھی ہیں۔ ان میں دین کے بنیادی عقائد جیسے توحید و صفاتِ باری تعالیٰ، ایمان و کفر، جبر و قدر، نبوت و رسالت اور آخرت کے احوال کو سادہ، عملی اور عوامی زبان میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ نے توحید اور آخرت پر زور دیا، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جبر و قدر کو اعتدال کے ساتھ سمجھایا، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے قبر اور برزخ کی حقیقت پر نصیحت کی، اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے ایمان و کفر اور صفاتِ باری تعالیٰ پر وضاحت کی۔ ان سب بزرگوں نے مشکل کلامی مسائل کو فلسفیانہ موشگافیوں سے بچاتے ہوئے ایسی زبان میں بیان کیا جو عوام الناس کے لیے بھی قابلِ فہم تھی۔

2۔ یہ پہلو بھی قابلِ ذکر ہے کہ چشتیہ ملفوظات میں کلامی مسائل کو محض نظری سطح پر بیان نہیں کیا گیا بلکہ ان کے ساتھ اصلاحی اور عملی رہنمائی بھی شامل ہے۔ مثلاً ایمان کے مسئلے کو محض عقیدے کی بحث نہ بنا کر عمل اور نیت کے ساتھ جوڑا گیا، اور آخرت کے تصور کو عملی تیاری کے ساتھ مربوط کیا گیا۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ چشتیہ مشائخ نے کلامیات کو عوامی زندگی کا حصہ بنا دیا اور یوں ان کے ملفوظات اسلامی فکر کی ایک زندہ اور موثر تعبیر قرار پاتے ہیں۔

3۔ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات نے برصغیر کے فکری اور دینی مزاج پر گہرے اثرات ڈالے۔ انہوں نے ایسے معاشرے میں جہاں اکثریت فلسفیانہ یا مدرساتی اصطلاحات سے ناواقف تھی، عقائد کو قصوں، حکایات اور مثالوں کے ذریعے اس طرح پیش کیا کہ وہ عام آدمی کے ذہن و دل میں بیٹھ گئے۔ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے بیانات یا حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کی نصائح آج بھی عوامی سطح پر یاد اور بیان کی جاتی ہیں۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان ملفوظات نے صرف اپنے دور کے لوگوں کو متاثر نہیں کیا بلکہ بعد کی صدیوں میں بھی ان کا اثر برقرار رہا۔

4۔ یہ بھی ایک اہم نتیجہ ہے کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات نے اسلامی کلامیات کو محض درسگاہوں یا علمی کتابوں تک محدود نہ رہنے دیا بلکہ اسے عوامی شعور کا حصہ بنایا۔ ان کی تعلیمات نے عقائد کو محض ذہنی تصدیق سے عملی زندگی کے رہنما اصول میں بدلا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی چشتیہ ملفوظات کا مطالعہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ دینی عقائد کی اصل روح اسی وقت معاشرے میں مؤثر ہو سکتی ہے جب انہیں سادہ اور عملی زبان میں پیش کیا جائے۔

5۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ چشتیہ ملفوظات نے برصغیر کی اسلامی روایت میں ایک ایسا تسلسل پیدا کیا جو آج تک قائم ہے۔ ان ملفوظات نے یہ ثابت کیا کہ دینی افکار صرف مناظرانہ یا فلسفیانہ انداز میں زندہ نہیں رہ سکتے بلکہ ان کی بقا کا اصل ذریعہ وہ زبان اور اسلوب ہے جو عوامی ذہن اور اجتماعی رویوں سے ہم آہنگ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں بعد بھی ان تعلیمات کا اثر صرف علمی حلقوں میں نہیں بلکہ عوامی سطح پر بھی باقی ہے۔ ان مجالس میں پیش کیے گئے افکار نے برصغیر کے مسلمانوں کی اجتماعی شناخت کو ایک مضبوط فکری بنیاد فراہم کی اور ان کے ایمان کو سماجی سطح پر جِلا بخشی۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

6۔ایک اوراہم نتیجہ یہ ہے کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات نے دین کوایک ہمہ جہتی حیثیت دی۔یہ ملفوظات صرف روحانی اور اخلاقی پہلوپر مرکوز نہیں تھے بلکہ انہوں نے فرد اور معاشرے دونوں کومتاثر کیا۔فرد کی سطح پر یہ عقائد کودل ودماغ میں راسخ کرنے کاذریعہ بنے،جبکہ اجتماعی سطح پرانہوں نے مسلمانوں میں اتحاد،رواداری اور مذہبی ہم آہنگی کوفروغ دیا۔اس طرح یہ ملفوظات نہ صرف دینی تعلیمات کاابلاغ تھے بلکہ ایک طرح کاسماجی بیانیہ بھی تھے جس نے برصغیر کے کثیر المذاہب معاشرے میں مسلمانوں کو ایک پہچان اور فکری مرکز فراہم کیا۔

آخر میں یہ کہنادرست ہوگا کہ چشتیہ ملفوظات نے اسلامی کلامیات کوایک عملی،اصلاحی اور عوامی قالب میں ڈھالا۔ان کے ذریعے نہ صرف ایمان کی حقیقت واضح ہوئی بلکہ اس کے عملی تقاضوں کو بھی اجاگر کیا گیا۔یہی وہ ورثہ ہے جس کی آج بھی ضرورت ہے،تاکہ دین کی اصل روح کو موجودہ دور کے انسان تک اسی طرح پہنچایا جاسکے جس طرح صوفیائے کرام نے اپنے وقت میں پہنچایا تھا۔

سفارشات

اس مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ چشتیہ مشائخ کے ملفوظات اسلامی کلامیات کاایک قیمتی ماخذ ہیں۔تاہم ان ملفوظات پر ہونے والی اب تک کی تحقیق زیادہ تر تاریخی یاخانقاہی پہلوؤں تک محدود رہی ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ آئندہ علمی تحقیقات میں ان ملفوظات کے کلامی مباحث پر مزید گہرائی سے کام کیا جائے۔خاص طور پر مندرجہ ذیل پہلوؤں پر توجہ دی جانی چاہیے:

1۔مختلف مشائخِ چشت کے ملفوظات کا باہمی تقابلی مطالعہ کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ کلامی مسائل کے بیان میں کن امور میں یکسانیت اور کن میں انفرادیت پائی جاتی ہے۔

2۔ملفوظات میں پیش کیے گئے کلامی مباحث کامعاصر مکاتبِ فکر(اشاعرہ،ماتریدیہ،معتزلہ وغیرہ)کے نظریات سے تقابلی جائزہ لیا جائے۔

3۔جدید فلسفیانہ اور فکری مسائل(جیسے مذہب اور سائنسی فکر کا تعلق،الحاد کا رد،وجودِ خدا پر دلائل)کے تناظر میں چشتیہ ملفوظات سے رہنمائی لینے پر مزید کام کیا جائے۔

4۔ان ملفوظات کے تراجم اور مستند اڈیشن تیار کیے جائیں تاکہ جدید علمی دنیا میں ان کی اشاعت اور استفادہ آسان ہو۔

یہ سفارشات آئندہ محققین کو نہ صرف ایک واضح سمت دیں گی بلکہ اسلامی کلامیات کے جدید مباحث کو صوفیانہ ورثے کے ساتھ جوڑنے کا موقع بھی فراہم کریں گی۔

چشتیہ مشائخ کے ملفوظات کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے دین کے بنیادی عقائد کو عوامی زبان میں اس طرح بیان کیا کہ وہ زندگی کا حصہ بن گئے۔آج کے دور میں جب عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات پھیل رہے ہیں،ان ملفوظات سے کئی عملی رہنمائیاں لی جاسکتی ہیں:

1۔مدارس اور جامعات کے نصاب میں چشتیہ ملفوظات کے منتخب حصے شامل کیے جائیں تاکہ طلبہ کلامی مباحث کو صرف مناظرانہ یا فلسفیانہ انداز میں نہ پڑھیں بلکہ ان کی عوامی اور اصلاحی تعبیر سے بھی واقف ہوں۔

2۔عوامی سطح پر خطبات،دروس اور لیکچرز میں ان ملفوظات کو موضوع بنایا جائے تاکہ ایمان،توحید،رسالت اور آخرت جیسے بنیادی عقائد کو مؤثر انداز میں پیش کیا جاسکے۔

3۔چشتیہ ملفوظات کو جدید زبان میں عام فہم انداز کے ساتھ دوبارہ مرتب کر کے نوجوان نسل تک پہنچایا جائے تاکہ وہ اپنی فکری اور روحانی تربیت میں ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔

4۔بین المذاہب مکالمے اور بین الثقافتی ہم آہنگی کے فروغ میں ان تعلیمات کو بنیاد بنایا جائے کیونکہ چشتیہ مشائخ نے ہمیشہ رواداری،محبت اور وسعتِ قلبی کو اپنے اسلوب کا حصہ بنایا۔

یوں یہ سفارشات نہ صرف علمی اور تحقیقی دنیا کو نئی سمت دیں گی بلکہ عملی اور سماجی میدان میں بھی ایمان کی تازگی،فکری پختگی اور دینی وحدت کے فروغ کا ذریعہ بنیں گی۔

یہ سفارشات دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ چشتیہ ملفوظات محض ماضی کی یادگار نہیں بلکہ حال اور مستقبل کی علمی وسماجی ضرورت بھی ہیں۔موجودہ دور میں جب ایک طرف مذہبی انتہاپسندی اور دوسری طرف فکری الحاد جیسے مسائل بڑھ رہے ہیں،ان ملفوظات کی روشنی میں ایک متوازن اور اعتدال پسند دینی سوچ کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔صوفیائے چشت کی تعلیمات نے ہمیشہ عقل ونقل میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی،لہٰذا آج کے تعلیمی اداروں اور تحقیقی مراکز کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس پہلو کو اجاگر کریں تاکہ نئی نسل کو دین کے ساتھ ساتھ فکری اعتماد بھی حاصل ہو۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

یہ بھی سفارش کی جاسکتی ہے کہ ان ملفوظات پر جدید تحقیقی تقاضوں کے مطابق مقالات، ڈگری تھیسس اور کتب تیار کی جائیں۔ اس سے نہ صرف ان کی اصل روح محفوظ رہے گی بلکہ انہیں نئے علمی پیرایوں میں سمجھنے کا موقع بھی ملے گا۔ اسی طرح اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں میں تراجم سے ان کی رسائی دنیا بھر کے علمی حلقوں تک ممکن ہو گی۔ یہ اقدام نہ صرف برصغیر بلکہ عالمی سطح پر بھی اسلامی کلامی مباحث کے ایک صوفیانہ پہلو کو متعارف کرانے میں مددگار ثابت ہو گا۔

سماجی سطح پر یہ سفارش بھی اہم ہے کہ ان ملفوظات کو نوجوان نسل کے لیے قابلِ فہم اور عملی مثالوں کے ساتھ پیش کیا جائے۔ ڈیجیٹل میڈیا، سوشل پلیٹ فارمز اور آن لائن دروس کے ذریعے ان تعلیمات کو زیادہ وسیع پیمانے پر عام کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح وہ صرف کتابی سرمایہ نہیں رہیں گے بلکہ روزمرہ کے مسائل میں رہنمائی کا ذریعہ بھی ہوں گے۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر ان سفارشات پر عمل کیا جائے تو چشتیہ ملفوظات نہ صرف ماضی کی علمی روایت کو زندہ رکھیں گے بلکہ عصرِ حاضر کے فکری و دینی مسائل کے حل کے لیے بھی ایک مؤثر اور ہمہ جہتی بنیاد فراہم کریں گے۔

حوالہ جات:

1. شبلی نعمانی، شعر العجم، دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۰۷، ص ۲۲۱۔
2. غلام عباس اور شیر علی، ''منتخب چشتی ملفوظاتی ادب میں مباحثِ برزخ کا تحقیقی مطالعہ''، ضیائے تحقیق، شمارہ ۸۱، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔
3. خواجہ عثمان ہارونی نوراللہ، انیس الارواح، ایڈیٹر: خواجہ معین الدین چشتی لکھنوی: مطبع واقع، 1872۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
4. غلام عباس اور شیر علی، ''منتخب چشتی ملفوظاتی ادب میں مباحثِ برزخ کا تحقیقی مطالعہ''، ضیائے تحقیق، شمارہ ۸۱، شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔
5. فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیا (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص. 55۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
6. حضرت مولانا عبدالرحمن جامی، نفحات الانس، ترجمہ مولانا سید احمد علی شاہ چشتی، (اشاعت: 8 نومبر 2018)، ص. 120۔
7. معین الدین احمد ندوی، تاریخ اسلام، حصہ 3 (گڑھ: دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم، 1998)، ص. 45۔
8. معین الدین چشتی، تجلیات انوار المعین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۰، ص ۹۹۔
9. حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء، فوائد الفوائد (اشاعت: 25 فروری 2020)، ص. 45۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
10. غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم (لاہور: مکتبہ نبویہ، 1965)، ص 77۔
11. سید عبداللہ، برصغیر میں تصوف (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1965)، ص 145۔
12. عزیز احمد، Studies in Islamic Culture in the Indian Environment (آکسفورڈ: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1964)، ص 152۔
13. شبلی نعمانی، المامون، حصہ 2 (آگرہ: مطبع مفید عام، 1892)، ص. 215۔
14. عبدالحلیم شرر، گزشتہ لکھنؤ، لکھنؤ: مطبع نولکشور، 1913، ص 92۔
15. فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیا (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص. 45۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
16. خواجہ امیر حسن سجزی دہلوی، فوائد الفوائد (اردو ترجمہ) (دلی: خواجہ حسن ثانی نظامی، 2007)، ص. 15۔
17. نظام الدین اولیاءؒ، فوائد الفوائد، ص 89۔۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
18. نظام الدین اولیاءؒ، فوائد الفوائد، ص 112۔۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
19. قطب الدین بختیار کاکیؒ، اقوالِ قطب، دہلی: مطبع مجتبائی، 1911، ص 14۔۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
20. محمد زکریا المہاجر المدنی، تاریخ مشائخ چشت (کراچی: مکتبۂ الشیخ، ص. 171۔

AL-AASAR Journal
Quarterly *Research Journal*
www.al-aasar.com
Vol. 2, No. 3 (2025)
Online ISSN: 3006-693X
Print ISSN:3006-6921

21. مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم (لاہور: مکتبۂ نبویہ، 1994)، ص.77۔
22. مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، جلد دوم (لاہور: مکتبہ نبویہ، 1965)، ص201۔
23. فرید الدین گنج شکر، اسرار الاولیاء (کانپور: منشی نول کشور، 1890)، ص118۔
24. عزیز احمد، Studies in Islamic Culture in the Indian Environment (آکسفورڈ: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 1964)، ص152۔
25. محمد دین سیالوی، ملفوظاتِ شمس العارفین، لاہور: مکتبہ صدیقیہ، 1972، ص55۔
26. عبدالرؤف سیالوی، حیات و تعلیماتِ خواجہ شمس الدین سیالوی، لاہور: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1985، ص112۔
27. غلام شبیر انصاری، تصوف و کلام: برصغیر میں فکری مباحث، اسلام آباد: مجلس ترقی ادب، 1990، ص167۔
28. محمد یوسف، اولیائے سیال شریف اور ان کی دینی خدمات، سرگودھا: مکتبہ رضویہ، 2001، ص94۔
29. سید فخر الدین اشرف، ملفوظاتِ جہانگیر اشرف سمنانی، دہلی: مکتبہ اشرفیہ، 1954، ص73۔
30. محمد اشرفی، حیات و تعلیماتِ جہانگیر اشرف سمنانی، لکھنؤ: ادارہ تحقیقات اسلامی، 1978، ص115۔
31. عبدالحکیم ندوی، برصغیر میں تصوف و کلام، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1982، ص142۔
32. غلام شبیر قادری، تصوف کی کلامی جہات، کراچی: مکتبہ رشیدیہ، 1990، ص98۔
33. پیر مہر علی شاہ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، لاہور: مطبع انوار، 1912، ص45۔
34. پیر مہر علی شاہ، سیفِ چشتیائی، لاہور: مکتبہ غوثیہ، 1935، ص112۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
35. عبدالحہ فرنگی محلی، برصغیر میں کلامی مناظرات، دہلی: مجلس تحقیقات اسلامی، 1960، ص201۔ (اردو ترجمہ ماخذ)
36. غلام رسول قادری، مہر منیر: حیات پیر مہر علی شاہ، لاہور: مجلس اشاعت اسلام، 1990، ص135۔
37. شبلی نعمانی، علم الکلام، اعظم گڑھ: شبلی اکیڈمی، 2010، ص256۔
38. عبدالحکیم ندوی، برصغیر میں تصوف و کلام، لاہور: مجلس ترقی ادب، 1982، ص142۔
39. معین الدین چشتی، تجلیات انوار المعین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۷۰، ص۹۹۔ (ماخذ اردو ترجمہ)